صاحبِ ایمان فرد کا امتحان

سلمان آصف صدیقی ○

جدید معاشروں کی سرگرمیاں پانچ وسائل سے متعین ہوتی ہیں: جدید سائنس، ٹکنالوجی، سرمایہ، انسانی عقل اور خواہشاتِ نفس۔ جدید مغربی تہذیب کے یہی پانچ بڑے خدا ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ انسان اپنے ہر مسئلے کے حل کے لیے انھی پانچ خداؤں کی طرف دیکھتا ہے۔ ان کے ہاں کوئی مسئلہ اسی وقت بڑا مسئلہ سمجھا جاتا ہے، جب یہ پانچ خدا اس کا حل دینے میں ناکام ہوجائیں۔ ایسی صورت میں جدید معاشرہ شدید خوف، گھبراہٹ اور مایوسی کا شکار ہوجاتا ہے۔

ایمان لانے والے فرد کا معاملہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھلے مقصد کے لیے ان وسائل کو اپنے ایمانی نقطۂ نظر کے تحت دیکھے اور دین کی شرائط بندگی پر بروئے کار لائے۔ لیکن اس قابل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان پانچ وسائل کی پوشیدہ قباحتوں سے بخوبی واقف ہو اور ان کے امکانی شر سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنے نفس کی نگرانی اور تزکیہ کرتا رہے۔ ایمانی تناظر میں مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب مسلمان کا بھروسا، اعتبار، یقین اور اُمیدیں ان پانچ اسباب پر قائم ہوجائیں اور وہ ان اسباب کے نفسیاتی، معاشرتی اور ماحولیاتی نقصانات سے لاعلم رہتے ہوئے ان کا استعمال کرتا رہے۔

چونکہ جدید مغربی تہذیب کی ترقی کی بنیاد خدائے واحد اور روح کے انکار کو قرار دیا جاتا ہے، لہٰذا اس کا تصورِ مسئلہ بھی مادی ہے اور اس کی تشخیص کے اسباب اور حل کی نوعیت بھی مادی ہے۔ وہ مسائل جو غیر مادی یا روحانی نوعیت کے ہیں، ان کی شناخت جدید سائنس نہیں کر پاتی اور اگر کسی وجہ سے وہ عیاں ہو بھی جائیں تو انھیں توجہ کے لائق نہیں سمجھا جاتا۔ جدید سائنس، مادی دنیا کے حوالے سے اپنی دانست میں جو مفروضے اور اندازے قائم کرتی ہے اور انکشافات اور ایجادات

○ کراچی

ممکن بناتی ہے، وہ عموماً انسان کی مادی خواہشات ہی کا احاطہ کرتے ہیں۔ اس کی زندگی کی معنویت کا نہیں۔ زندگی کی معنویت کا تعین کرنے والا نظام، الہامی ہدایت سے استفادہ کرکے ہی ممکن ہے۔

انسان کی زندگی کا بامعنی ہونا، اس کی زندگی میں آسایشوں کے ہونے سے کہیں زیادہ ضروری اور اہم ہے۔ جدید سائنس اور ٹکنالوجی نے کائنات میں فساد پیدا کرنے کے علاوہ انسان کو سرمایہ دارانہ نظام کی غلام گردشوں میں اُلجھا کر رکھ دیا ہے۔ مسلمان کی ذمہ داری یہ تھی (اور یہ ہے) کہ جدید سائنس اور ٹکنالوجی کی بنائی ہوئی دُنیا کا اسیر بننے کے بجائے اس فساد کی نشان دہی کرے، جو ہوس کے نتیجے میں سائنس اور ٹکنالوجی نے پیدا کر رکھا ہے اور جس سے مغربی دنیا کا عام آدمی ابھی تک ناواقف ہے۔ المیہ یہ ہے کہ آج کا مسلمان اپنے ضعفِ علم و ایمان کے باعث اس فرق کو نہیں پہچان پایا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلم معاشرے، غالب مغربی تہذیب کے علمی اور عملی انکار کے بجائے اس کی مرعوبیت اور غلامی کا بُری طرح شکار ہیں اور ترجیحات کی لگ بھگ اُسی ترتیب میں اپنے معاملاتِ زندگی طے کر رہے ہیں، جو خدائے واحد کے انکار کرنے والوں نے بنائی ہے۔

محض سرمایے کی محبت اور اس میں اضافے کی فکر اور اس سے اپنی توقعات کا وابستہ ہوجانا، مسلمان کے ایمان کے لیے انتہائی مہلک ہے۔ مال اسی صورت میں اللہ کا فضل ہے، جب تک مسلمان کا دل اس کی محبت سے خالی ہے۔ بصورتِ دیگر یہ ایک بڑا فتنہ ہے۔ مسلمان کے پاس جتنی بھی دولت آجائے، اس کی اپنے مستقبل سے بے فکری کی بنیاد، سرمایے پر بھروسا یا انحصار نہیں بلکہ اللہ کی رزّاقی پر یقین ہونا چاہیے۔ اسی طرح مسلمان کو تنگدستی میں بھی اپنے مسائل کے حل کے لیے سرمایے کی تمنا کرنے کے بجائے اللہ کی مدد پر بھروسا کرتے ہوئے اپنے حصّے کی کوششیں کرنی چاہییں۔

عقل اللہ کی دی ہوئی انتہائی اہم نعمتوں میں سے ایک ہے۔ عقل کے تین بڑے امتیازات ہیں: پہلا یہ کہ عقل، حقیقت تک پہنچنے میں انسان کی مدد کرتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا حقیقت تک پہنچنا اس کی روشن مثال ہے۔ دوسرا یہ کہ عقل، علم نافع کی روشنی میں نفس کے میلانات اور داعیات کا محاسبہ کرتی ہے۔ تیسرا یہ کہ عقل، معاملاتِ زندگی کو سمجھنے اور مسائل کو حل کرنے میں انسان کی مدد کرتی ہے۔

انسان کی فطرت اسے فوری فائدے کی طرف للچاتی ہے اور عقل یہیں دھوکا کھا جاتی ہے۔ وہ بڑی تمکنت کے ساتھ چندروزہ زندگی کے فائدے کو ہمیشہ کی زندگی کے فائدے پر فوقیت دے کر

یہ سمجھتی ہے کہ اس نے بڑا کمال کیا ہے۔ پھر غالب تہذیب کا تصورِ کامیابی اس کے ایمانی تصورِ کامیابی پر غالب آجاتا ہے۔ عقل کا دوسرا بڑا مسئلہ اس کا گھمنڈ اور اپنی استعداد پر ناز ہے۔ عقل کی یہ ترنگ اسے وحی سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ انسان اس صورت میں اس زعم میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ وہ خیر اور حق کا تعین خود کرسکتا ہے۔ اس کا اپنی عقل پر یہ ایمان پیدا ہوجاتا ہے کہ میری عقل ہر مسئلے کا حل دے سکتی ہے۔ مجرد عقل کے ساتھ گمراہ ہونے کی بہت بڑی مثال ابوجہل کی ہے، جس کو اس کی قوم نے عقل میں بلند ہونے کی وجہ سے ابوالحکم کا خطاب دے رکھا تھا۔

ابلیس نے جب آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا، تو اس کی بنیاد عقل کی ایک منطق تھی کہ ''مَیں جو آگ سے بنا ہوں، اس گارے سے بنی مخلوق کے آگے کیوں سر جھکا دوں''۔ ابلیس نے اللہ کی اطاعت کو محض عقل کے تابع کرنے کی کوشش کی۔ دین کے تناظر میں عقل، منصف نہیں ہے۔ بلکہ بندگی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے وجود کو، جس میں عقل بھی شامل ہے، اللہ کا مطیع بنالے۔ سجدہ اسی بات کا علامتی اعتراف ہے کہ انسان اپنی عقل کو اللہ کے علم، حکمت، دانائی اور قدرت کے سامنے کچھ نہیں سمجھتا۔ اپنی عقل کے بھرپور استعمال کے باوجود اس کا اصل بھروسا اور یقین اللہ کے علم و حکمت پر ہے۔

یہی اس کا تصورِ عقل مندی ہے۔ بندۂ مومن کی عقل، اللہ کی اطاعت کرنے میں حیل و حجت نہیں کرتی۔ درحقیقت اسی عقل کو عقلِ سلیم کہتے ہیں۔ جدید مغربی تہذیب میں عقل کا بہت بڑا مصرف، نفسانی خواہشات کی تکمیل کے راستے تلاش کرنا اور ان پر چلتے رہنا ہے۔ ایمانی مناسبت سے عقل کا ایک بہت اہم مصرف ان خواہشات کا تجزیہ اور محاسبہ ہے۔ انسان کا اگر ہر لمحہ تزکیہ ہوتا رہے اور اسے نفسِ مطمئنہ حاصل ہوجائے تو اس کی خواہشات بہت نفیس اور پاکیزہ ہوجاتی ہیں۔

انسان کی بے پناہ خواہشات اسے نفس کی غلامی میں دھکیل دیتی ہیں۔ انسان کی خواہشات چپکے چپکے اس کا اِلٰہ بن جاتی ہیں۔ جھوٹے ربّ اور جھوٹے الٰہ کا فرق سمجھنا بھی ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ اگر انسان غیر مشروط طور پر اپنے دل کی خواہشات کے پیچھے چل رہا ہو یا اس کی پیروی کر رہا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ خواہشات اس کا الٰہ ہیں۔ اور اگر وہ یہ سمجھتا ہو کہ اس کی عقل سارے مسائل حل کر دے گی تو اس کا مطلب ہے کہ عقل کو ربّ کا درجہ مل گیا ہے۔ ربّ اور الٰہ کے فرق کو

سمجھنا ضروری ہے تاکہ مسلمان خود کو جھوٹے خداؤں کے پھندے سے نکال سکے۔ جدید مغربی تہذیب اور سرمایہ دارانہ نظام ان پانچ جھوٹے خداؤں کے گٹھ جوڑ کی کہانی ہے۔ جس نے اللہ کی نشانیوں کو نظر سے اوجھل کر کے سارے عالم کو بُت کدہ نما بنا دیا ہے۔ انھی جھوٹے خداؤں نے آج مسلمانوں کو اپنے نرغے میں لے رکھا ہے۔

اس وقت کرونا وائرس کے نتیجے میں جو صورتِ حال پیدا ہوئی ہے اسے دنیا کچھ وقت کے لیے تو سمجھ ہی نہیں پائی کہ یہ مسئلہ کیا ہے اور اس کو کیسے سنبھالنا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہ آنے والی کیفیت، گھبراہٹ اور شدید خوف کا باعث بن گئی۔ ایسا خوف جو انسان کی نفسیاتی اور جسمانی صحت کے لیے مضر ہو، وہ ایمان کی کمی کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور پھر ایمان کو مزید کمزور تر کر دیتا ہے۔ خوف کی ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے تو پھر اللہ کے سوا دنیا کی کوئی طاقت اسے انسان سے نہیں نکال سکتی۔ وہ لوگ جو اللہ پر یقین رکھتے ہیں، انھیں بے خوف اور بے غم رکھنے کے لیے اللہ، فرشتوں کو خصوصی احکامات کے ساتھ نازل کرتا ہے:

> جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا ربّ ہے، اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں کہ ''نہ ڈرو نہ غم کرو، اور خوش ہو جاؤ اُس جنّت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دُنیا کی زندگی میں بھی تمھارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمھیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمھاری ہوگی، یہ ہے سامانِ ضیافت اُس ہستی کی طرف سے جو غفور و رحیم ہے۔ (حٰمٓ السجدہ ۴۱:۳۰-۳۲)

جب انسان ایک اللہ کو چھوڑتا ہے تو اسے بہت سارے خدا بھی کافی نہیں ہوتے۔ مغربی نفسیات میں 'ذہن کا مادّے پر تصرف' کے عنوان سے ایک پورا نقطۂ نظر موجود ہے۔ جو بتاتا ہے کہ ''اگر آپ کو چوٹ لگ جائے لیکن آپ کو ذہنی طور پر اس بات کا یقین دلوا دیا جائے کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے تو وہ واقعی کچھ بھی نہیں ہوتا''۔ اسی طرح 'مصنوعی دوا' (placebo medicine) کے حوالے سے ہونے والی تحقیقات نے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ ''ذہن کی کیفیت اور دل کے یقین کی اہمیت کسی مرض کے علاج میں دوا سے کہیں زیادہ ہے''۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کے نہ ماننے والے

اس نظریے تک پہنچ گئے ہیں۔ اس صورتِ حال میں اللہ کو نہ ماننے والوں کے لیے اللہ کو ماننے کا بہت بڑا امکان پیدا ہوگیا ہے۔

خوف اور گھبراہٹ کا تسلسل اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ آپ کسی معاملے، مسئلے یا خطرے کو بہت بڑا جان لیں اور اپنے وجود کی گہرائیوں میں اس کی بڑائی کو محسوس کرنا شروع کردیں۔ خوف کی یہ صورت فرد کی ایمانی اور نفسیاتی صحت کے لیے شدید نقصان دہ ہے۔ ایک بندۂ مومن کو ہرلمحہ اس بات کا احساس اور یقین ہونا چاہیے کہ اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔ وہ کارساز ضرور میری مشکل حل کردے گا۔ مومن کے لیے صرف ایک ہی خوف جائز ہے اور وہ ہے روزِ آخرت اپنے عمل کی جواب دہی کا خوف۔ اسلام لانے اور اللہ کو اپنے معبود ہونے کا اقرار کرنے کا مطلب یہی ہے کہ اب دل میں کسی کی ایسی بڑائی اور عظمت قبول نہیں کی جاسکتی، جس سے اللہ کے ساتھ تعلق اور اس کی عظمت پر حرف آئے۔ خوف کا شدت اختیار کرجانا دراصل بندے اور اللہ کے درمیان تعلق کے تعطل کا سبب بن جاتا ہے۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اب دل صرف اور صرف اللہ کا ہوگیا ہے۔ اس میں کسی اور کے آنے کی گنجایش اللہ کے دیے ہوئے احکامات کی تعمیل کے حوالے سے ہی ممکن ہوسکتی ہے۔

ایک عالمی ادارے Worldmeters کی رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ انسان ایک دن میں موت کا شکار ہوجاتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ ایک ماہ میں تقریباً ۴۵ لاکھ اور تین ماہ میں تقریباً ایک کروڑ ۳۵ لاکھ انسان اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں، جب کہ کرونا وائرس سے گذشتہ آٹھ ماہ، یعنی فروری سے ستمبر ۲۰۲۰ء کے دوران تقریباً ۹ لاکھ ۴۲ ہزار ہلاکتیں ہوئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ لاکھوں لوگ روزانہ مرکر کہاں جارہے ہیں؟ ان کا کیا بن رہا ہے؟ بات یہ ہے کہ یہ لوگ زمان و مکان اور جسم و عمر کی قید سے باہر نکل جاتے ہیں اور درحقیقت واپس بلا لیے جاتے ہیں۔

ان لاکھوں مرنے والوں میں سے بہت بڑی تعداد کو اپنی موت سے چند منٹ پہلے تک بھی یہ پتا نہیں تھا کہ یہ ان کے اس دُنیا میں آخری لمحات ہیں۔ عقیدے اور ایمان کے تناظر میں اصل سوال یہ نہیں ہے کہ کسی وائرس یا بیماری سے کیسے بچا جائے؟ بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ اپنی موت کی تیاری کیسے

کی جائے؟ جب کہ ربِّ کریم نے موت سے ہمکنار کرنے کا ایک اور ذریعہ بھی انسان کو دکھا دیا ہے۔

اس وقت دُنیا بھر کے سات ارب انسان اپنے آپ کو کورونا وائرس سے اور اس کی اگلی لہر سے بچانے میں مصروف اور خوف زدہ ہیں۔لیکن اس سے کہیں زیادہ بڑا سوال یہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا کیا ہوگا؟ کافر اور مومن کی نفسیات میں ایک بنیادی فرق یہی ہے کہ کافر موت سے ڈرتا اور مومن جواب دہی سے۔کافر موت کا ذکر نہیں سننا چاہتا اور مومن اپنی موت کو یاد رکھنے کے لیے اس کا روزانہ ذکر کرتا ہے۔اس کے لیے کسی بھی جنازے میں شرکت اپنے دل کے زنگ کی صفائی، ایمان کی تجدید، اور جواب دہی کی فکر کے احساس کو تازہ کرنے کا ایک اہم موقع ہوتا ہے۔اسی لیے جنازوں میں شرکت کی خصوصی تاکید کی گئی ہے۔اور نمازِ جنازہ کے بعد تدفین کے لیے قبرستان میں موجودگی پر اور بھی زیادہ زور دیا گیا ہے۔افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کے مسلمان میں اپنی ایمانی کمزوری کے باعث موت کا خوف طاری ہوگیا ہے۔ اور اس خوف نے زندگی سے تقویٰ اور احساسِ ذمہ داری کو شدید صدمہ پہنچایا ہے۔